محمد الطاف

علی گڑھ: رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود کی تحریر میں ایک مشترکہ موضوع

Aligarh: A common topic in the writting Rasheed Ahmed Siddiqui, Mushtaq Ahmed Yousufi and Mukhtar Masood

Mr. Muhammad Altaf, Research Scholar, Qurtaba University, Peshawar, Pakistan.

Abstract:

Rasheed Ahmad Siddiqui, Mushtaq Ahmad Usfi and Mukhtar Masud are prominent writers in Urdu literature. Rasheed Ahmad Siddiqui and Mushtaq Ahmad Usfi are essentially humourists while Mukhtar Masood is writer on serious topics, still their styles and many technical aspects of their prose have various similarities. Its main reason, along with other factors, is the fact that all three studied and learnt at Ali Garh University. In this article, the writer has tried to explore this common aspect, which can be termed "ALIGARHIYAT", in the prose styles of all the three mentioned writers.

اردو نثر میں صاحبِ اسلوب ادباء کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے گا ان میں رشید احمد صدیقی، مشتاق یوسفی اور مختار مسعود ضرور شامل ہوں گے۔ اور نہ صرف شامل ہوں گے۔ بلکہ اچھے انداز میں ذکر بھی ہوگا۔ اپنے تیز مشاہدے، شاداب تخیل، فنی مہارت، اور اعلیٰ تہذیبی وثقافتی اقدار کو بروئے کار لا کر قاری کو شیریں ادب مہیا کرنے والے یہ تینوں بڑے ادیب، اپنے ذہنی اور فکری تجربات کو موزوں الفاظ میں اپنا مافی الضمیر قاری کے سامنے اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ وہ دوسرے لکھنے والوں سے الگ ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ اس الگ راہ اور شناخت کو متعین کرنے کے لئے وہ اسلوب کے تمام محاسن کو اپنی تحریر میں بڑے خوب صورت انداز میں جگہ دیتے ہیں۔ رعایتِ لفظی، ایجاز و اختصار، قول محال، سہ حرفی الفاظ کا استعمال، بات سے بات نکالنا، تکرارِ لفظی اور ہم آواز الفاظ و مرکبات کا استعمال، تشبیہ، ضرب الامثال، استعارات، روایتی اور غیر روایتی تلمیحات، تاثرات، اقبال و غالب سے فیض یابی وہ نمائندہ رنگ ہیں جن

سے رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود نے اپنی تحریروں کو مزیّن اور مرصع کیا ہے۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اردو ادب میں الگ الگ شناخت رکھنے کے باوجود ان کی تحریروں میں کس قدر یکسانیت پائی جاتی ہے۔ زبان و بیان کے مختلف گُر و ہوں یا طرزِ تحریر کے مختلف محاسن، کے حوالے سے تینوں ادیب ایک دوسرے کے قریب قریب دکھائی دیتے ہیں۔ اور اسلوب کی وہ تمام تعریفیں جس میں انفرادیت کے پہلو در پہلو ہوتے ہیں ان تینوں کے معاملے میں یکساں نظر آتی ہیں۔ پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں کہ:

''میں مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود کے باب میں رشید احمد صدیقی کا حوالہ دے کر ان دونوں ادیبوں کی انفرادیت سے انکار یا ان کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک ان دونوں کا رشید احمد صدیقی سے وہی رشتہ ہے جو ہیگل سے پروفیسر بریڈلی اور پروفیسر میک ٹگارٹ کا ہے دونوں (Hegelian) کہلانے کے باوجود فلسفے میں اپنا اپنا مقام اور اپنی اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہیگل کے بغیر پروفیسر بریڈلی اور پروفیسر میک ٹگارٹ کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح رشید احمد صدیقی کے بغیر مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود ممکن نہ ہوتے۔'' [1]

ڈاکٹر صابر کلوروی کی رائے بھی کم و بیش یہی ہے:

''اقبال کے علاوہ میرے تین ہی عشق ہیں، رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود، عجب اتفاق ہے کہ تینوں علی گڑھ کے پروردہ ہیں۔ ایک زمانے میں میرا خیال تھا مشتاق یوسفی اور مختار مسعود ضرور رشید احمد صدیقی کے شاگرد رہے ہوں گے لیکن میرا خیال غلط نکلا تب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلوب اور فکر کی ہم آہنگی، استادی اور شاگردی کی محتاج نہیں ہے اس کے لیے چند برس علی گڑھ میں قیام کر لینا کافی ہے۔'' [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ لاکھ جتن کے باوجود کوئی بھی ادیب شعوری یا لاشعوری طور پر دوسرے ادیبوں کے خیالات و افکار اور طرزِ تحریر سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکتا۔ ان کے دماغ اور یادوں میں اور ان کے حافظے میں، بہت سے ادیبوں کے خیالات محفوظ ہوتے ہیں۔ جو لکھتے وقت ان کے اسلوبِ تحریر میں خود بہ خود جگہ بناتی ہے۔ چوں کہ زمانی اعتبار سے رشید احمد صدیقی پہلے ہیں اس لیے امکان ہے کہ مشتاق یوسفی اور مختار مسعود نے رشید احمد صدیقی فیض یاب ہوئے ہوں گے اس لیے کہ دونوں کے ہاں رشید احمد صدیقی کا رنگ پختہ ہے۔

اصل میں جو بات ان تینوں ادیبوں کو قریب لانے میں پیش پیش ہے وہ ہے علی گڑھ کے ماحول میں قیام اور تعلیم و تربیت۔ مغربی ادیب Riny اپنی کتاب "The element of style" میں لکھتا ہے کہ:

''ہم با آسانی کسی اسلوب میں صاحبِ اسلوب کی نفسیات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ اسلوب سے یہ

بات روشن ہو جاتی ہے کہ ادیب اخلاقی اقدار کا کس حد تک پابند ہے اور کس حد تک اس نے دانشوروں کا اثر قبول کیا ہے۔ اسلوب میں صاحبِ اسلوب کی صلاحیتیں منعکس ہوتی ہیں جو اس کے مطالعے اور ماحول کا نتیجہ ہوتی ہیں۔'' [۳]

الغرض علی گڑھ کا ماحول، علی گڑھ کی تہذیب اور علی گڑھ کی فکر جب کسی ادیب کی تحریر کی شناخت بن جائے تو اسلوب خود بہ خود حوالہ بن جاتا ہے۔ علی گڑھ کی نظر سے دیکھنا، علی گڑھ کے ذہن سے سوچنا اور علی گڑھ کی فکر کو اپنے اوپر طاری کرنا ایک ایسا عمل ہے جس سے لکھنے والے کا طرزِ تحریر ضرور متاثر ہوتا ہے اور یہی اصل پذیری اسلوب کا حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی اسلوب کے محاسن میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے نزدیک جو علی گڑھ سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر ہو جانا چاہیے کہ علیگ تعداد کے حوالے سے بے شمار ہیں۔ اُن کی علی گڑھ سے عقیدت کا یہ حال ہے کہ کوئی بھی اس تحریر یا شخص جو علی گڑھ سے تعلق رکھتا ہے خود بہ خود اُس کے قریب بلکہ قریب تر ہو جاتے ہیں۔ اور پھر علیحدہ ہونے کا سوچتے بھی نہیں۔

رشید احمد صدیقی، مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود کی تحریروں میں علی گڑھ کا احساس زندہ اور متاثر کن ہے۔ خاص طور پر رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود کی فکری اُڑان تو علی گڑھ کے حدود سے باہر نکلنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی۔ بشیر گلزار پوری لکھتے ہیں کہ:

''علی گڑھ سے رشید احمد صدیقی کی جذباتی، ذہنی اور قلبی وابستگی کے پیشِ نظر اُن کے فن کا جائزہ لیتے وقت علی گڑھ کو محلِ نظر کرنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ علی گڑھ کے توسط سے ہی رشید احمد صدیقی کے فن نے جلا پائی اردو ادب میں بالعموم اور اردو طنزیہ ادب میں بالخصوص وہ ایک نشانِ راہ کی حیثیت سے یاد کیے جائیں گے۔'' [۴]

علی جواد زیدی نے رشید صدیقی کی نثر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علی گڑھ تحریک و تہذیب کے اجزائے ترکیبی کی نشان دہی کی ہے۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ زیدی صاحب خود بھی علی گڑھ اور رشید احمد صدیقی سے نا صرف متاثر ہیں بلکہ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ رشید احمد صدیقی کے قول و فعل کو پیش نظر رکھتے ہوئے علی گڑھ تہذیب کو گہرائی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

☆ ''علی گڑھ تہذیب کی بنیاد اسلامی ہے اور یہ اسلام، ہندی ہے اس ہندی اسلامی تہذیب کا نمائندہ علی گڑھ ہے۔

☆ علی گڑھ تہذیب میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کا ردِ عمل بھی موجود ہے اور ایک جہانِ تازہ کا اعلان بھی ہے۔

☆ علی گڑھ تحریک میں دیوبند تحریک، ریشمی رومال تحریک اور عارضی حکومتِ ہند کے قیام کی تحریکیں بھی شامل ہیں۔

☆ اس علی گڑھ تہذیب میں خالص ہندوستانی مسلمان ہونا اور دوسرے علی گڑھ کا ہندوستانی مسلمان ہونا جس میں صلح وسخاوت اور شگفتگی ضروری عناصر ہیں، لازم وملزوم ہے۔

☆ رشید صدیقی ہندوستان کے مسلمانوں کو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے دوسرے ممالک سے بہتر سمجھتے ہیں اور بہ حیثیتِ مجموعی ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے بہتر نمائندگی علی گڑھ کرتا ہے۔

☆ رشید صدیقی کی علی گڑھ تہذیب، رنگ ونسل اور قبیلہ کے یکسر انکار کے باوجود سرسید کے سلسلے میں حسب ونسب کے بیان میں ہندی روایات کی حامل ہے۔

☆ علی گڑھ تہذیب کی اعلیٰ قدریں اخلاقیات کے سبق میں پوشیدہ ہے اور اخلاق کا سرچشمہ مذہب ہے۔

☆ مذہب کو ہر شے پر فوقیت حاصل ہے، یہ (علی گڑھ تہذیب) مذہب، اخلاق، عقل شعور، علم سب کے دوش بہ دوش چلتا ہے۔

☆ تہذیب کے لیے فکر کا ارتقا ضروری ہے۔

☆ علی گڑھ تہذیب دراصل ماضی اور حال میں تطابق وتوافق کی جستجو ہے۔

☆ یہ تہذیب جارحیت کے خلاف ہے خواہ مذہب ہو، سیاست وادب ہو یا حکومت۔

☆ اس تہذیب میں جاگیردارانہ نظام کا عنصر بھی شامل ہے۔

☆ یہ تہذیب زندگی کی تہذیب وتنقید ہے۔

☆ یہ تہذیب ادب کو لازوال شے مانتی ہے۔

☆ علی گڑھ تہذیب کا ماضی شان دار ہے مستقبل محکم مائل بہ ارتقا ہے۔

☆ اس ہند اسلامی علی گڑھ تہذیب کا اہم ترین خصوصی عنصر خود زبان اردو ہے۔''

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''میری پسند ناپسند، رہن سہن، گفتار وکردار اور فکر ونظر جسے بہ حیثیتِ مجموعی، شخصیت کہہ سکتے ہیں سب کچھ علی گڑھ میں ڈھلیں۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی سیرت کی تعمیر یا تشکیل کے لیے بہت کچھ خام مواد اپنے گھر اور اسکول سے لایا تھا لیکن اس کو تب وتاب، رنگ وآہنگ، لمس ولذت اور صورت ومعنی علی گڑھ نے دیے۔ اگر میں علی گڑھ نہ آتا اور میری صلاحیتوں کا سابقہ اس کسر وانکسار سے نہ ہوتا جو علی گڑھی کہلاتا ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ صلاحیتیں مضر ثابت ہوتیں۔'' ۵

اصل میں علی گڑھ صرف ایک عمارت یا تعلیمی ادارے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص مکتبۂ فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ فکر، سوچ، تربیت، تعمیر، تشکیل کو یہاں نہ صرف سربلندی ملتی ہے بلکہ گفتار، کردار، رہن سہن، پسند ناپسند کا معیار بھی منفرد ہوتا ہے۔ اسی لیے مختار مسعود لکھتے ہیں: ''علی گڑھ کو فکر و نظر کی برتری حاصل تھی اور اس کی تعریف یوں کی جاتی تھی کہ جو کچھ علی گڑھ آج سوچتا ہے وہ ہندوستان کل سوچے گا۔'' ۶

کسی بھی ادارے کی اصل کام یابی، فکر اور سوچ کی برتری یہی ہے اور اسی کی بنیاد پر افراد اور اقوام کو زندگی ملتی ہے۔ طارق سعید کے مطابق:۔

> ''دنیا کا ہر چھوٹا بڑا ادیب اپنی بساط کے مطابق اپنے معاشرے سے کچھ دل چسپی ضرور رکھتا ہے وہ جس معاشرے میں سوتا، جاگتا، کھاتا اور پیتا، روتا اور ہنستا ہے اسے اس کا مظہر ہونا کوئی تعجب خیز نہیں اس معاشرے کی نیکی و بدی اور امیری و غریبی سب اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس سے اگر وہ فرار بھی چاہے تو ممکن نہیں۔ اگر وہ صاحب طرز ادیب ہے۔ کیوں کہ قلم اس سے خود لکھواتا ہے اور اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ضمیر قلم پر کان دھرے اور اس کے مطابق عمل کرے اور صاحب ظرف مزاح نگار کہاں باز آسکتا ہے کہ وہ جس معاشرے میں سانس لے رہا ہے اس سانس کی قیمت نہ چکائے۔'' ۷

رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود اس قیمت کے چکانے میں بڑی حد تک کام یاب دکھائی دیتے ہیں اپنے ماحول، معاشرے کی نیکی و بدی، امیری و غریبی سے رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود، رچ کر پیار کرتے ہیں کیوں کہ علی گڑھ صرف علمی درس گاہ ہی نہیں بلکہ بہ قول مختار مسعود یہاں: ''مسز ایل کے حیدر، روٹی کو توے پر پکانے کا علم بھی سکھا کرتی ہے۔'' ۸

رشید احمد صدیقی کے ہاں مختار مسعود کی نسبت علی گڑھ زیادہ رچا بسا ہے جب کہ علی گڑھ، مختار مسعود کے ہاں معیار ہے... گویا رشید احمد صدیقی کے ہاں معیار بھی ہے اور اظہار بھی۔ خود اس بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''زندگی کا سب سے وقیع حصہ علی گڑھ اور علی گڑھ کے لیے صرف ہوا ہے۔ یہاں شہرت حاصل کی اور آسودگی پائی۔ یہاں کی فیض بخشیوں نے مجھے دوسروں کے فیض سے بے نیاز کر دیا۔ علی گڑھ میری زندگی، میری شخصیت، میری تحریر میں جاری و ساری رہا۔'' ۹
>
> ''مجھ میں ایک بدعادت یہ ہے کہ کہیں جاؤں علی گڑھ سے آخری گاڑی سے روانہ ہوں گا اور کام ختم ہو جانے پر پہلی گاڑی سے واپس ہو جاؤں گا۔'' ۱۰
>
> ''میری تحریروں میں یہ نقص بتایا جاتا ہے کہ ان میں علی گڑھ بہت ہوتا ہے۔'' ۱۱

اسی طرح اردو اور علی گڑھ کے تعلق پر بات کرتے ہیں:

''اردو کو علی گڑھ سے جدا نہیں کر سکتے۔ دونوں کی سرحدیں نہیں قلم رو ایک ہیں دونوں کا مزاج اور معیار یکساں ہے۔ دونوں ایک ہی تاریخ اور سماجی تقاضے کی پیداوار ہیں۔ ہندوستان میں اردو کا مسئلہ زبان ہی کا نہیں، تہذیب و معاشرت مساوات، علمِ لسان اور بول چال اور لین دین کی کل ہند زبان کا بھی مسئلہ ہے۔ اس لیے علی گڑھ ہمیشہ اردو کی اور اردو علی گڑھ کی خیر و عافیت درگاہِ خداوندِ کریم سے نیک چاہتا رہے گا۔'' ۱۲

علی گڑھ سے محبت اور علی گڑھ کے ساختہ و پرداختہ ہونے نے جہاں رشید احمد صدیقی کی تحریر کو جلا بخشی وہیں ان کی سیرت کی تعمیر کے خام مواد کو تب و تاب، رنگ و آہنگ، لمس و لذت اور صورت و معنی عطا کیے۔ غالباً ان کی تحریر میں یکسانیت اور مقامیت بھی ملتی ہے جو اُن قاری کے لیے اکتاہٹ کا احساس پیدا کرتی ہے، جو برصغیر کی جدید علمی، ادبی اور تعلیمی تاریخ اور علی گڑھ تحریک کی خدمت سے ناواقف ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ادب کی اصل روح یہ ہے کہ اس میں زمان و مکان کے قیود کا احساس نہ ہو۔ علی گڑھ کے بار بار ذکر اور فکرِ علی گڑھ کی پرچار سے تحریر ایک خاص جگہ اور خاص ماحول کا ترجمان بن جاتا ہے جسے بعض ناقد زہر قاتل قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے نامی انصاری لکھتے ہیں:۔

''رشید احمد صدیقی اردو کے سب سے زیادہ قدآور مزاح نگار تھے۔ جن کی انشاپردازی اور اسلوب کی انفرادیت میں کلام نہیں، مگر اکثر ان کی انشاپردازی، ان کی شگفتہ نگاری پر غالب آجاتی ہے، پھر ان کی ساری تگ و دو کا محور و مرکز علی گڑھ اور صرف علی گڑھ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری آپ کی یہ بھری پری دنیا علی گڑھ سے بہت بڑی ہے اور انسان اور اس کے اعمال و افکار کو صرف ایک محدود تناظر میں دیکھ کر اور برت کر کوئی تخلیق کار، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، نہ تو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ قرار واقعی انصاف کر سکتا ہے اور نہ انسان اور اس کی دنیا سے۔ یہ تناظر تنگ بھی ہے اور تقریباً بے جہت بھی، شاید اسی لیے رشید احمد صدیقی آخر میں مزاح نگار سے مرثیہ گو بن گئے تھے۔'' ۱۳

اصل میں ''علی گڑھ''، رشید احمد صدیقی کا موضوع ہے۔ اور وہ اُس کے نمایاں اور اہم پہلوؤں کا نت نئے انداز سے ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یقیناً وہ خود بھی لطف انداز ہوتے ہوں گے اور علی گڑھ سے وابستہ لاکھوں قاری بھی۔ یہی وجہ ہے کہ لگ بھگ ستر سال گزر جانے کے بعد بھی اُن کے اسلوب کی تازگی برقرار ہے جس کی وجہ سے لوگ اُن کی تحریریں پڑھتے ہیں۔ اور جو لوگ نثر نگاری کے رموز سے آشنا ہیں اُن کے لیے تو رشید احمد صدیقی کی تحریریں متبرک ہیں۔ اور جو ادب شناس نہیں ہیں۔ ان کے لیے بھی اچھا اسلوب اچھی تحریر کبھی زہرِ قاتل نہیں ہوتی اور اگر ایسا ہوتا تو آدھی صدی گزر گئی کسی کے قتل ہونے کی کوئی تو خبر آتی۔

پروفیسر زیڈ اے عثمانی کو بھی رشید احمد صدیقی سے اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

یہ گمان ہوتا ہے کہ رشید صاحب کے ہاں، ایک جامع اور توانا فنی رویے کی کمی ہے۔ جس کی روشنی میں حیات و کائنات پر زیادہ گہری اور بے لاگ تنقید عمل میں آسکے، اس سے متعلق کچھ بنیادی سوالات اٹھائے جاسکیں اور کچھ اساسی قدروں کی طرف اشارہ کیا جاسکے۔

شخصی تاثرات کی اور مقامی رنگ کی غیر شفافیت جو بعض موضوعات کے سلسلے میں پائی جاتی ہے، خصوصاً علی گڑھ کے سلسلے میں... جذباتیت جو اسی سلسلے میں قابلِ اعتراض ہے۔ غرض وغایت کا ابہام، محض الفاظ کی اُلٹ پھیر اور رخالی خولی جملہ بازی، تصنع وتکلف، بات سے بات نکالنے کی کوشش میں کوئی بات نہ بنا پانا اور بہ قول پروفیسر اسلوب احمد انصاری 'دفع الوقتی'۔ یہ سب باتیں جو ایک فن کار کی حیثیت سے رشید احمد صدیقی کی کم زوریاں ہیں اور جن کے لیے اگر ایک لفظ تلاش کیا جائے تو شاید برے معنوں میں 'علی گڑھیت' کی اصطلاح سے ان کی تعبیر ہوسکے۔'' [۱۴]

پروفیسر عثمانی اور نامی انصاری کی یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کیوں کہ علی گڑھ بے شک رشید احمد صدیقی کے لیے ایک کائنات اور تہذیب کا بڑا مرکز ہو مگر وہ لوگ جنھوں نے علی گڑھ کو نہیں دیکھا یا علی گڑھ کے جس ماحول میں رشید احمد صدیقی نے وقت گزارا، سے متعارف نہ ہوئے ہوں ان کے لیے رشید احمد صدیقی کی باتیں، ان کا پیغام ان کی فکر کوئی خاص اثر نہیں رکھتی۔

ایک مسئلہ ہمارے ہاں یہ بھی ہے کہ ناقد یا قاری اپنی پسند، اپنے مسلک، نظریے سے وابستہ مینول کے مطابق باتیں ہر نوعیت کی تحریر میں تلاش کرتا ہے اور جب نہیں ملتیں تو خود الجھتا رہتا ہے۔ مذکورہ اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رشید احمد صدیقی کو گہرائی اور سنجیدگی سے نہیں پڑھا گیا۔ اگر صرف محمد علی جوہر پر لکھا خاکہ سمجھ کر پڑھ لیا جائے یا اُس سے آسان تحریر شفیق الرحمٰن قدوائی کو تمام عصبیتوں سے دل صاف کر کے پڑھ لیا جائے تو کچھ نہ کچھ حیات و کائنات کے بارے میں سوچ کے در مل جائیں گے۔

رشید احمد صدیقی سے نسبتاً کم، مگر کس حد تک مختار مسعود کے ہاں بھی علی گڑھ کو معیار کا درجہ حاصل ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ میں ان کی البم کے صفحے بڑی تیزی سے بھرتے رہے مگر جب ۱۹۴۸ء میں پاکستان آئے تو پھر وہ پھرتی اور تیزی نظر نہ آئی۔ ''آوازِ دوست'' میں شخصیات کے انتخاب کو دیکھا جائے تو اکثریت علی گڑھ کے دروازے سے ہی ''آوازِ دوست'' میں وارد ہوئے ہیں۔ پھر ان شخصیات کا ذکر جب علی گڑھ کے تناظر میں ہوتا ہے تو اس لمحے مختار مسعود کے قلم کی جولانی دیدنی ہوتی ہے۔ وہ لفظوں جملوں، تشبیہوں، استعاروں، ضرب الامثال اور کہاوتوں کا استعمال اتنا برجستہ اور برمحل کرتے ہیں کہ تحریر میں وضاحت و بلاغت کے اور کئی دفتر کھل جاتے ہیں۔ اسی حوالے سے سید ضمیر جعفری

لکھتے ہیں کہ:

''علی گڑھ کی محبت ان کے ہاں کوئی ضمنی چیز نہیں ہے۔ علی گڑھ کی ٹوپی اور شیروانی کو وہ تحریکِ پاکستان اور مساواتِ اسلامی کا سمبل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قائداعظم کا ظہور درس گاہِ سرسید اور شعرِ اقبال کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ 'آوازِ دوست' میں وہ اپنی جن محبتوں کو آوازیں دیتے ہیں، ان میں ایک محبت کا نام علی گڑھ بھی ہے''۔ ۱۵

ڈاکٹر فتح محمد ملک کا خیال ہے کہ علی گڑھ سے حد درجہ اور ٹوٹ کر پیار کرتے ہوئے مختار مسعود بعض اوقات تاریخی حقائق کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''مختار مسعود تحریکِ پاکستان اور اس کے قائدین سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ مگر سانحہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے اور اپنی مادرِ علمی سے بھی ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی ہر اچھی چیز کو اپنی ذات اور مادرِ علمی سے منسوب دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ انتہائی معصوم جذبہ ہے مگر تاریخ، علومِ انسانی کا ایک ایسا شعبہ ہے جو جذبات سے زیادہ حقائق کا قدردان ہے۔ وہ (مختار مسعود) 'آوازِ دوست' میں قومی درد کے مظاہرے میں اس حد تک مصروف ہیں کہ انہیں تاریخی حوالوں پر مناسب غور و فکر کا موقع نہیں ملا ہے۔'' ۱۶

تاریخ کا جذبات سے یقیناً کوئی سروکار نہیں مگر مختار مسعود کو علی گڑھ سے جذباتی محبت ہے اور محبت کو بھی کسی علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ خود فتح محمد ملک لکھتے ہیں کہ: ''یہ انتہائی معصوم جذبہ ہے۔'' اور اسی معصوم جذبے کے اظہار کے لیے سروجنی نائڈو۔ ای۔ ایم فاسٹر، ولیم آرچی بالڈ، تھوڈور مارین جیسی غیر مسلم شخصیات سے بھی عقیدت رکھتے ہیں اور قائداعظم، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، خالدہ ادیب خانم، بہادر یار جنگ، نواب حمید اللہ اور راجا صاحب محمود آباد جیسی مسلم شخصیات کا ذکر بھی خلوصِ ادب اور احترام سے کرتے ہیں۔ مختار مسعود کی کم زوری یہ ہے کہ علی گڑھ کے علاوہ کسی اور معیار پر اس کو بھروسہ ہی نہیں اور یہی کم زوری ان کی ادبی پرواز کو مقامیت کا رنگ دے جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس مقامیت میں ایک ایسی آفاقیت پوشیدہ جسے دیکھنے کے لیے دیدہ بینا چاہیے۔ بہر کیف اس کم زوری سے مختار مسعود کو فرار ممکن نہیں، وہ رقم طراز ہیں کہ:

''علی گڑھ میں گزرا ہوا زمانہ کبھی ماضی بعید کے صیغے میں نہیں آتا۔ بیش تر وقت وہ حال کا صیغہ ہوتا ہے اور اگر فراموش بھی ہو جائے تو ماضی قریب بن کر رہتا ہے۔ طالبِ علمی کی زمانے کو سبھی یاد کرتے ہیں۔ مگر وہ شدّت اور لذّت جو علی گڑھ کی یاد میں ہے۔ وہ کیا کسی دوسری درس گاہ کو نصیب ہوگی۔'' ۱۷

رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود کی طرح مشتاق احمد یوسفی نے بھی علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ

التحصیل ہیں اور وہاں پر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارا ہے مگر اس نکھار میں علی گڑھ کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ یہی دوری ان کو رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود سے ممتاز کرتی ہے۔

یوسفی نے رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود کی طرح اُن تمام اسلوبیاتی محاسن یا مزاحیہ حربوں سے فائدہ اُٹھایا جو کسی بھی بڑے ادیب کی تحریر کا خاصہ ہوتے ہیں لیکن ان کے موضوعات مختلف ہیں۔

طارق سعید کا خیال ہے کہ:

> ''مشتاق احمد یوسفی کا معاشرہ برصغیر کا معاشرہ ہے جون پور، علی گڑھ یا لاہور کا معاشرہ نہیں... ظاہر ہے کہ مشتاق یوسفی کا دائرہ لامحدود ہے... رشید احمد صدیقی کا شیرازۂ ہند یعنی جون پور اور قلبِ جہاں یعنی علی گڑھ، جب کہ یوسفی کا دائرہ صرف جہان، یہ جہان وہ ہے جہاں نہ کمرے ہیں نہ پردے، نہ دیواریں، نہ دروازے، جس میں آواز ٹیس اور سوچ تک ننگی ہے۔ جہاں لوگ شاید ایک دوسرے کا خواب بھی دیکھ سکتے ہیں۔'' ۱۸

کوئی بھی ادیب جب کوئی ادب پیش کرتا ہے تو اس میں اس ماحول کا تاثر ضرور ہوتا ہے جس میں وہ رہ رہا ہے کیوں کہ میتھیو آرنلڈ کے بہ قول ''ادب زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔'' آپ رشید احمد صدیقی کا ماحول دیکھیں وہ بڑا عجیب اور انوکھا ہے۔ انھوں نے ہندو اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مذہبی ہم آہنگی کا یہ عالم تھا کہ دینیات کی کتابیں انہوں نے مندر کے برآمدے میں پڑھی۔ تہذیبی چپقلش یا ٹکراؤ سے رشید احمد صدیقی ناواقف تھے۔ جب کہ یوسفی نے علی گڑھ کے ماحول اور مرصع تحریر سے فنی اصطلاحات ضرور اخذ کی ہیں مگر ان فنی محاسن کے لیے جن خام مواد کا انتخاب کیا وہ علی گڑھ نہیں ہے۔ اُس کی کئی وجوہات میں۔ یوسفی نے ادب پاکستان میں لکھا۔ وہ اعلیٰ ترین علوم پر دسترس رکھتے تھے اور وہ اعلیٰ ترین مناصب پر فائز رہے۔ دنیا بھر میں گھوم پھر کر زمانے کو کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ اور ایک زمانے تک پاکستان سے باہر قیام پذیر رہے۔ انھوں نے بدلتی ہوئی اقدار دیکھیں۔ معاشیات کے جدید نظریات کے مطالعے نے دنیا کو ایک مخصوص زاویے سے دیکھنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ اسی لیے اُن کے یہاں خام مواد علی گڑھ نہیں ہے۔ لیکن اُن کے یہاں ملنے والی روشن خیالی علی گڑھ ہی کی دین ہے۔ یوسفی، علی گڑھ کے لوگوں ہی سے متاثر ہیں، اُن کے اسلوب سے متاثر ہیں۔ علی گڑھ کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ جب تک کہ ان کے مزاج میں ڈوب کر پاکستان معاشرے کا نوحہ پڑھتے کی صلاحیت نہ ہوگی ادب شناسی پیدا نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر یوسفی کی تحریر میں کراچی ایک بڑے شہر کی علامت کے طور پر اُبھر کر سامنے آتا ہے اور جن مسائل کی نشان دہی کی ہے یا جن (موضوعات) سے فنی محاسن کو ترتیب دیا ہے وہ کسی بھی بڑے شہر کے مسائل اور موضوعات ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے طارق حبیب لکھتے ہیں:

''یہی وہ مقام ہے جہاں مشتاق احمد یوسفی واضح طور پر رشید احمد صدیقی سے علاحدہ ہوجاتے ہیں اوران کا فکری نظام اورادبی مقام رشید احمد صدیقی سے اوپر اُٹھ جاتا ہے۔'' ۱۹

ڈاکٹر روبینہ ترین کا خیال ہے کہ:

''رشید احمد صدیقی کا اُفق محدود ہے وہ ایک خاص ماحول کی بات کرتے ہیں، لیکن مشتاق یوسفی پوری سوسائٹی کو، بلکہ اس سے بڑھ کر پوری تہذیب کو سامنے رکھتے ہیں۔'' ۲۰

جبکہ سلیمان اطہر جاوید یوں تبصرہ کرتے ہیں کہ:

''ان کے ہاں کسی قسم کی مقامیت نہیں، جو رشید احمد صدیقی کے ہاں مزاح کے اعلیٰ معیار اور عالمانہ انداز کے باوصف، ان کے فن کو بیش تر قارئین کے لیے جہاں تہاں مبہم، بلکہ بے معنی بنادیتی ہے۔'' ۲۱

حقیقت یہ ہے کہ طارق، ڈاکٹر روبینہ اور سلمان اطہر یوسفی کے اسلوب اور فن کی جن خوبیوں کی نشان دہی کررہے ہیں وہ بھی حقیقتاً علی گڑھ کی روشن خیالی ہی کی دین ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ رشید احمد صدیقی سے یوسفی کے ادب کا موازنہ ایک بے تکی بات ہے۔ دونوں کے دور میں فرق ہے۔ ممالک کا فرق ہے اقدار کا فرق ہے۔ مسائل کا فرق ہے۔ اب تو برائی، برائی نہیں رہی ہمارے ایوان بالا اور عدلیہ خود برائیوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی مماثلت ان تینوں میں ملتی ہے تو وہ علی گڑھ کا وہ وژن ہے جو اسلوب تخلیق کرتا ہے۔ برائیوں پر طنز کرتا ہے۔ برائی کو اچھا کہنے والوں پر قہقہہ بھی لگاتا ہے۔ اور آنے والے دور کے لیے جدید سوچ بھی دیتا ہے۔ لیکن یہ اُنھی قارئین کے لیے ہے جو ادب کا ذوق رکھتے ہیں۔ اور ادب سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود کے ہاں اشراف کا تذکرہ زیادہ ملتا ہے۔ مختار مسعود کی آٹو گراف بک میں مشاہیر کے دستخط اور ''آوازِ دوست'' میں انھی کی تذکرے ہیں۔ سفر نصیب بھی سیاحتوں اور فراغتوں کی کہانی ہے وہاں جس ہوائی سفاری میں وہ بیٹھے ہوتے ہیں وہاں یوسفی کے کردار خواب میں بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ ''لوحِ ایام'' کا انقلاب اگرچہ خون اور خاک سے لت پت ہے مگر پھر بھی عام شخص کی اُمنگوں کا ترجمان ہے جبکہ ابتدائی ابواب میں شاہِ ایران کے تذکرے اور شاہ کا رہن سہن عام شخص کی سوچوں سے بھی ماورا ہے۔

رشید احمد صدیقی کی دنیا وضع داری کی دنیا ہے جس میں بغض تعصب، حسد کے لیے زیادہ جگہ نہیں۔ مختار مسعود کے ماحول میں بھی سروجنی علی گڑھ آکر اسلام کی بات کرتی ہے اور علی گڑھ والے ان پر گل پاشی کرتے ہیں جہاں پھولوں کی لرزش اور ریزش دیدنی ہوتی ہے۔ ٹائن بی وحدانیت اور اسلام کے

نہ صرف قائل ہیں بلکہ ہجری سن کے دن اور تاریخ بھی یاد رکھتے ہیں مگر یوسفی کے یہاں تو سب کچھ بے ترتیب ہے جہاں دشمنوں کے حسبِ عداوت تین درجے ہیں، دشمن، جانی دشمن اور رشتے دار، گالیاں طبع زاد، برجستہ اور آورد سے پاک ہوتی ہیں۔ جہاں ننگی چھاتیوں پر بچے جب دودھ ڈال دیتے ہیں اور اس پر مکھیاں چھاؤں بناتی ہے اور ہر گزرنے والا ان حصوں پر جو مکھیوں سے بچ جاتا ہے نہ صرف غور سے دیکھتا بلکہ مڑمڑ کے ایسی نظروں سے گھورتا چلا جاتا ہے کہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا کہ ان میں بھکاری کون ہے؟ اور شاید اسی لیے یوسفی جب اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہتے ہے تو وہ محسوس کرتے ہیں جیسے رجیم سے یہی Regime مراد ہے! نعوذ باللہ جبھی تو مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں کہ:۔

> رشید احمد صدیقی صاحب کے یہاں جو گزر چکی ہے وہ زندگی ہے۔ یوسفی کے ہاں جو گزر چکی ہے وہ فن ہے اور جو گزرنے والی ہے وہ تدبیر ہے۔ یوسفی کو جو دنیا ملی ہے اسے سمجھنا، برتنا اور جھیلنا رشید صاحب کے بس کی بات نہیں تھی۔ ۲۲

بہر حال رشید احمد صدیقی اور مختار مسعود کے ہاں علی گڑھ کی وجہ سے ایک گزرے ہوئے دور اُس کی اقدار اور انسانی معیار کی بابت ایک معاشرتی تاریخ ملتی ہے۔ تو دوسری طرف علی گڑھ کے ماحول سے اخذ شدہ فنی اور فکری خوبیوں نے ان کے ادبی مقام کو بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ رعایتِ لفظی، کفایتِ لفظی، خیالات، الفاظ، ایجاز واختصار، نازک خیالی، بات سے بات نکالنا، قولِ محال، سہ حرفی اور سہ لفظی الفاظ کا استعمال، تشبیہہ، استعارات، ضرب الامثال، کہاوتیں غرض مرصع اسلوب کے اکثر فنی محاسن کا جتنا خوب صورت استعمال ان کے ہاں موجود ہے دوسرے ادیبوں کے ہاں ان محاسن کا ایسا منفرد استعمال کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ پھر مشتاق احمد یوسفی اور رشید احمد صدیقی کے اسلوبیاتی ہم آہنگی سے محلِ نظر کرنا بھی ممکن نہیں۔ پروفیسر نظیر احمد صدیقی جو مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود کو رشید احمد صدیقی کا تسلسل کہتے ہیں کے اس جامع تبصرے پر اس بحث کو سمیٹتے ہیں کہ:

> ''گزشتہ پچیس سال کے اندر ابھرنے والے پاکستانی ادیبوں (ہندوستانی ادیبوں میں صرف خورشید الاسلام کا نام لوں گا) میں غالباً مشتاق احمد یوسفی اور مختار مسعود سے بہتر انشا پرداز کوئی اور نہیں دونوں کے درمیان کئی باتوں کے مشترک ہونے کے باوجود دونوں کا ایک دوسرے سے مختلف اور منفرد ہونا بھی واضح ہے۔ دونوں کی ذہنی آبیاری علی گڑھ ہی کا چراغ ہے۔ اردو کے یہ دونوں مایہ ناز انشا پرداز رشید احمد صدیقی کے اسالیب کے تسلسل اور توسیع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں مزاح نگار رشید احمد صدیقی نے مشتاق احمد یوسفی کی تعمیر میں حصہ لیا ہے وہاں سنجیدہ نگار رشید احمد صدیقی مختار مسعود کی تشکیل میں کارفرما رہے ہیں۔'' ۲۳

حواشی

۱۔ ''یوسفی ایک انشائیہ نگار''، مضمون مشمولہ سہ ماہی ''شبیہہ''، لاہور، جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء، ص: ۷۵

۲۔ ''جوابِ دوست''، (مختار مسعود سے انٹرویواز ڈاکٹر صابر کلوروی) غیر مطبوعہ، مخزونہ محمد الطاف، سوات

۳۔ The Element of Style

۴۔ ''رشید احمد صدیقی کا اسلوب''، دہلی، گلشن پبلیکیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۵۷۔

۵۔ ''آشفتہ بیانی میری''، دہلی، مکتبہ ادب نو، ۱۹۶۰ء، ص ۷۔

۶۔ ''آوازِ دوست''، لاہور، النور پبلشر، ۲۰۰۷ء، ص ۲۰۶۔

۷۔ ''اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب''، دہلی، ایجوکیشن، پبلی کیشن، ص ۲۷۸۔

۸۔ ''سفرِ نصیب''، لاہور، فیروز سنز ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۰۔

۹۔ ''مضامینِ رشید''، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء، ص ۶۷۔

۱۰۔ ''گنج ہائے گراں مایہ''، راولپنڈی، فرینڈز پبلشر، ۱۹۸۰ء، ص ۱۳۸۔

۱۱۔ ''آشفتہ بیانی میری''، ص ۱۲۳۔

۱۲۔ سلمان اطہر جاوید، ڈاکٹر: ''علی گڑھ، ماضی اور حال''، مضمون مشمولہ ''ہندوستانی ادب کے معمار، رشید احمد صدیقی''، دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۔

۱۳۔ ''مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے سے آبِ گم تک''، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷۳۔

۱۴۔ رشید احمد صدیقی کے طنز و مزاح پر ایک نوٹ مشمولہ ''خنداں'' مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۴۰ء، ص ۳۴۹۔

۱۵۔ بحوالہ یوسفی ایک انشائیہ نگار، ص ۱۰۱۔

۱۶۔ از کجامی آیت ایں آوازِ دوست، مضمون مشمولہ ''اندازِ نظر''، لاہور، سنگِ میل پبلیشر، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۰۔

۱۷۔ ''آوازِ دوست''، ص ۱۵۰۔

۱۸۔ ''اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب''، ص ۲۷۹۔

۱۹۔ ''یوسفیات''، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۹۹۔

۲۰۔ ''مشتاق احمد یوسفی، چراغ تلے سے آبِ گم تک''، ص ۱۸۵۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔

۲۲۔ سہ ماہی شبیہہ، مشتاق احمد یوسفی نمبر، لاہور، جنوری، مارچ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۶۸۔

۲۳۔ ''یوسفی ایک انشائیہ نگار''، ص ۸۸۔۸۹۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

☆ انصاری، اسلوب احمد، اطراف رشید احمد صدیقی، ہند، انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۸ء۔

☆ خواجہ، محمد اکرام الدین: رشید صدیقی کے اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۴ء۔

☆ سلمان اطہر جاوید، ڈاکٹر: ''ہندوستانی ادب کے معمار رشید احمد صدیقی''، دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۸ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: آشفتہ بیانی، دہلی، میری مکتبہ ادبِ نو، ۱۹۶۰ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: جدید غزل، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۸ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: خنداں، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۴۰ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: ذاکر صاحب، دہلی، کتابی دنیا لمیٹڈ، س ن۔
☆ صدیقی، رشید احمد: سہیل کی سرگزشت، حیدر آباد (ہند)، نفیس اکیڈمی، ۱۹۴۷ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: طنزیات و مضحکات، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: گنج ہائے گراں، راولپنڈی، مایہ فرینڈز پبلشر، ۱۹۸۰ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: مضامینِ رشید، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء۔
☆ صدیقی، رشید احمد: ہم نفسان رفتہ، علی گڑھ، سرسید بک ڈپو، ۱۹۸۸ء۔
☆ طارق سعید: ''اردو طنزیات و مضحکات کے نمائندہ اسالیب''، دہلی، ایجوکیشن پبلیکیشن، سنہ ندارد۔
☆ طارق حبیب، مشتاق احمد یوسفی چراغ تلے سے آبِ گم تک، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
☆ طارق حبیب، یوسفیات، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
☆ گلزار پوری، بشیر: رشید احمد صدیقی کا اسلوب، دہلی، گلشن پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء۔
☆ مختار مسعود: آوازِ دوست، لاہور، النور، ۲۰۰۵ء۔
☆ مختار مسعود: سفرِ نصیب، لاہور، فیروز سنز، ۲۰۰۷ء۔
☆ مختار مسعود: لوحِ ایام، لاہور، فیروز سنز، ۲۰۰۷ء۔
☆ معین الرحمٰن، سیّد، ڈاکٹر: مرتب: ''خنداں''، دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۴۰ء۔
☆ ملک، فتح محمد: ''اندازِ نظر''، لاہور سنگِ میل پبلیشر، ۱۹۹۹ء۔
☆ فتح پوری، فرمان: ڈاکٹر، اردو ادب کی فنی تاریخ، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
☆ فتح پوری، فرمان: ڈاکٹر، اردو نثر کا فنی ارتقا، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
☆ ورک، اشفاق احمد، اردو نثر میں طنز و مزاح، لاہور، بیت الحکمت، ۱۹۸۴ء۔
☆ یوسفی، مشتاق: آبِ گم، کراچی، مکتبہ دانیال، ۱۹۹۹ء۔
☆ یوسفی، مشتاق: چراغ تلے، کراچی، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۱ء۔
☆ یوسفی، مشتاق: خاکم بدہن، کراچی، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۰ء۔

☆ یوسفی، مشتاق: زرگذشت، کراچی، مکتبہ دانیال، ۲۰۰۴ء۔

☆ Riny: "The element of style".....

غیر مطبوعہ مقالے:

۱۔ خٹک، احمد حسین: ''آوازِ دوست کا تنقیدی جائزہ'' مقالہ برائے (ایم اے)، پشاور یونیورسٹی ۶-۲۰۰۵ء

۲۔ شہناز کوثر: ''مشتاق احمد یوسفی۔فن وشخصیت'' مقالہ برائے (ایم اے اردو) بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی ۱۹۸۹ء

۳۔ شیخ محمد اصغر: ''مشتاق احمد یوسفی، بہ حیثیتِ مزاح نگار''، مقالہ برائے (ایم اے اردو) ملتان زکریا یونیورسٹی ۱۹۸۴ء

۴۔ فخر النساء: ''رشید احمد صدیقی اور مشتاق احمد یوسفی کا تقابلی جائزہ'' مقالہ برائے (ایم اے اردو) اورینٹل کالج لاہور ۱۹۹۰ء

جوابِ دوست۔ مختار مسعود سے انٹرویواز ڈاکٹر صابر کلوروی، مخزونہ محمد الطاف سوات۔

مجلّہ:

۱۔ سہ ماہی ''مشیہہ'' لاہور، جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء۔

o -------- o